

قاضی فضل اللہ حقانی *

خصوصی تحریر:

بروفات شیخ الحدیثؒ ۷ ستمبر کی مناسبت سے

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ علم و عمل کا پیکر، تواضع و انکساری کا مرقع

ہندوستان کے حوالے سے جب کہا جاتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب توفوراً ذہن میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی طرف چلا جاتا ہے اور پاکستان میں جہاں بھی حضرت شیخ الحدیث کا ذکر ہوتا تو ذہن کو متبادر ہوتا حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ۔ نام سے زیادہ اگر لقب پہچان ہو اور لقب بھی صفتی ہو تو اس سے پتہ لگتا ہے کہ متعلقہ میدان یا صفت کے حوالے سے اس کے حامل کا کیا مقام ہے یعنی حدیث اور شیخ الحدیث ہی پہچان بن گیا کیا سعادت اور خوش بختی ہے۔

گویا ان کا یہ وصف غالبہ علیمت پر غالب آچکا تھا یعنی اگر آپ نام لیتے مولانا عبدالحق صاحبؒ کا یا مولانا زکریا صاحبؒ کا تو کسی کے لئے پوچھنے کا مجال ہوا کرتا تھا کہ کون سے مولانا عبدالحق یا کون سے مولانا زکریا؟ لیکن اگر آپ ہندوستان میں حضرت شیخ الحدیث کا ذکر کرتے تو ہر کسی کے ذہن میں آ جاتا کہ مولانا زکریا صاحبؒ مراد ہیں اور اگر آپ پاکستان میں حضرت شیخ الحدیث کا ذکر کرتے تو وہاں بھی یہی معلوم ہوتا کہ مولانا عبدالحق صاحبؒ مراد ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے کبھی اپنی نام کی شہرت نہیں چاہی تھی بلکہ اپنے آپ کو درس حدیث کے لئے ایسے وقف کر چکے تھے کہ وہ ان کی شناخت اور شہرت بن گئی۔

حدیث مبارکہ اور اس کے اثرات: رسول پاکؐ کا فرمان ”نضر اللہ امر أسمع مقاتلی فوعاھا وادھاھا لمن لم یسمعھا او کما سمعھا“ اللہ خوش و خرم رکھے اس شخص کو کہ جس نے میرا مقال (فرمان) سنا اس کو محفوظ کیا اور اس کو ادا کیا (یعنی پہنچایا) اس کو جس نے یہ نہیں سنا تھا (یا اس کا ادا کیا) جیسا کہ اسے سنا تھا۔

حدیث ہذا میں دو باتیں ہوئیں محفوظ کرنے کے بعد ایک اس کا آگے پہنچانا اور دوسرا اس طرح ہی پہنچانا جیسا کہ اس نے محفوظ کیا یعنی اس کے الفاظ و معانی کے حوالے سے اسی شخص نے نہ تو قصداً کوئی تحریف

* دارالعلوم حقانیہ کے قابل فخر فرزند، عالم، مصنف، محقق عرصہ سے امریکہ کے اسلامی مراکز میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں، ظلمت کدہ مغرب کی تاریکیوں کو مٹانے کی راہ میں جدوجہد کر رہے ہیں

کیا اور نہ ہی اس کے ادا کرنے میں لاپرواہی پن کا مظاہرہ کیا یعنی پورے حزم اور احتیاط کو ملحوظ رکھا۔ اور ان حضرات نے ایسا کیا تھا کہ نہیں تو ان شخصیات پر نبوی دعا کا اثر دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کو زندگی میں وہ مقبولیت ملی کہ آپ کی کتاب فضائل اعمال آپ کی زندگی ہی میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب تھی حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ زندہ لوگوں کی تصنیف کو بہت کم ہی توجہ دی جاتی ہے کہ وہاں پر معاشرت کا عنصر کارفرما ہوتا ہے منافرت میں اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کو وہ مقبولیت ملی کہ آپ کی زندگی میں آپ کا مدرسہ دارالعلوم حقانیہ پاکستان کا دیوبند بنا اور یہ صرف دعویٰ نہیں بلکہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے خود بھی فرمایا یعنی اس کے دیوبند ہونے کی تصدیق دیوبند ہی نے کی۔ ”وشہد شاہد من اہلہا“

حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تلامذہ اور خوشہ چینوں میں جس شخصیت کو شیخ الحدیث کے لقب سے پہچانا جانے لگا وہ حضرت شیخ الحدیث صاحب تھے اور یہ کہ آپ کو ہر مکتب فکر اہل حدیث، بریلوی اور اہل تشیع میں حتیٰ کہ سیکولر طبقے میں بھی احترام سے دیکھا گیا۔ اور عامۃ الناس تو آپ کے ایک جھلک دیکھنے سے ہی گرویدہ ہو جاتے۔

عوامی مقبولیت اور انتخابات میں کامیابی: اور یہی وجہ ہے کہ ۱۹۷۰ء میں جب پہلے عام انتخابات ہوئے تو آپ کے مقابلہ میں اس وقت کے صوبہ سرحد کے وسطی علاقوں پشاور، مردان، چارسدہ، نوشہرہ اور صوابی میں نیشنل عوامی پارٹی کا بہت زور تھا اور ان کے مرکزی لیڈر مشہور قوم پرست اور پشتو زبان کے شاعر اجمل خٹک آپ سے کافی مارجن کے ساتھ شکست کھا گئے حالانکہ آپ خود تو بہت ہی کم کہیں انتخابی جلسوں میں گئے اور جاتے بھی تو اپنے مزاج کے مطابق دینی اصلاحی بیان فرماتے زیادہ تر طلبہ اور علماء ہی نے آپ کی انتخابی مہم چلائی۔

ہم خود تو اس وقت دوسرے جگہ حصول علم میں لگے تھے لیکن جوانی تھی تو بڑے جوش اور جذبے سے اگر ایک جانب حضرت شیخ القرآن مولانا عبدالباقی رحمہ اللہ کے انتخابی مہم میں سرگرم تھے تو ساتھ ساتھ مولانا محمد اللہ صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب کے حلقوں میں بھی جا کر مہم چلاتے۔ ایک تو اس لئے کہ پہلا الیکشن تھا دوسرا یہ کہ یہ علماء اپنے علم و تقویٰ کے حوالے سے معروف و مشہور تھے تیسرا یہ کہ اس وقت تو یہ معلوم نہیں تھا کہ پارلیمنٹ میں اکثریت پر بات ہوتی ہے۔ ہم ایک جانب تو یہ سمجھ رہے تھے کہ پورے پاکستان سے علماء کی اکثریت ہی کامیاب ہوگی اور اگر نہ بھی ہو تو یہ لوگ گئے اور اسلام آہی گیا اور یہ بھی نہ ہو تو ان حضرات کا اسمبلی میں وجود ہی غیبت ہے جو بعد میں ثابت بھی ہوا۔

اسلامی آئین کی تشکیل میں علماء کا کردار: جب آئین تشکیل پارہا تھا ان علماء اور دینی جماعتوں کے راہنماؤں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر آئین میں اساسی دفعات اسلام کے حوالے سے ڈال کر مٹوی بچھائی۔ ان حضرات میں حضرت مفتی محمود صاحب، مولانا غلام غوث ہزاروی، حضرت شیخ الحدیث صاحب، مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد اور کچھ دیگر حضرات کے مساعی شامل تھے اور یہ جونا سمجھ یا ملد قسم کے لوگوں کی طرف سے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ یہ مولوی تو نماز پڑھنے پڑھانے میں متفق نہیں ہوتے تو اسلامی نظام میں کس طرح متفق ہو سکیں گے یہ پروپیگنڈا اعلیٰ الذہن لوگوں کے اذہان تو پراگندہ کر دیتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اس لئے کہ مختلف مکاتب فکر کے اکتیس علماء کئی دنوں کے بحث و تمحیص کے بعد بائیس نکات مرتب کر چکے تھے جو اسلام پر اتفاق کا ایک متفقہ چارٹر ہے۔

پھر یہ آئین میں اسلام کے حوالے سے اساسی دفعات کا شامل کرنا اور وہ بھی بالاتفاق اس کا ایک دوسرا مظہر ہے پھر آئین ہی میں قانون سازی کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل جیسے آئینی ادارہ کی تشکیل جو اگرچہ سفارشات مرتب کرتا ہے کہ وہ ایک آئینی ادارہ تو ہے لیکن آئین ساز تو نہیں نہ قانون سازی کی ان کی ذمہ داری پارلیمنٹ جیسی ہے اگرچہ آئین نے ایک محدود مدت مقرر کی تھی کہ اتنی مدت میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں ملک کے سارے قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈالنا لازمی ہے لیکن اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے ایک سازش کے تحت ایک فوجی جنرل کو آسٹریا کوایا گیا، آئین معطل ہو گیا اور اس کے قتل سے وہ محدود مدت کا تصور منقطع ہو گیا۔

اسلامی آئین کو غیر موثر کرنے کے حربے: اب ستم ظریفوں کا استدلال الفاظ کے جھمبلیوں میں پڑھ کر یوں ہوا بلکہ کرایا گیا کہ وہ مدت تو ختم ہوئی اور قانون سازی نہ ہو سکی تو وہ اپنی اہمیت کھو گیا ہے اور اسی جنرل صاحب نے مختلف حیلوں بہانوں سے آئین کے اس تصور پر زور دینے کو بے اثر بنانے کیلئے ہر وقت اسلام، اسلامی نظام اور کچھ جزوی قوانین کو مارشل لاء کے تحت بنانے اور لکھوانے کا عمل جاری رکھا کہ علامۃ الناس تو کیا بہت سارے تعلیم یافتہ حضرات بھی ان باریکیوں کو تو نہیں جانتے کہ اس کا مقصد کیا ہے جبکہ حدود و قوانین میں لکھے گئے لیکن آج تک تو میرے نوٹس میں نہیں آیا کہ کسی ایک حد کا بھی اجراء ہو چکا ہو اس انداز سے کہ جسے شرعی اور اسلامی کہا جائے۔ بہر تقدیر خوئے بدر بہانہ بسیار کے مصداق جن باطن میں نظام اسلام کے حوالے سے خبث ہے وہ تو پروپیگنڈے سے باز نہیں آئیں گے۔

مسلمان کی تعریف اور شیخ الحدیث کا کردار: ان حضرات علماء نے جب صدر مملکت کے لئے مثلاً مسلمان ہونے کی شرط رکھی تو حکومت کے ذمہ داروں نے ان سے کہا کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ وہ سمجھتے

تھے کہ مختلف مسالک کے حامل لوگ ایک تعریف پر کبھی بھی متفق نہ ہو سکیں گے اور یوں اس مسئلے سے جان چھوٹے گی لیکن ان علماء نے ایک متفقہ تعریف وضع کیا اور اس تعریف کی تدوین بھی حضرت شیخ الحدیث صاحب نے کی ہے۔

پھر جب قادیانیت کا مسئلہ آپیش ہوا اور مرزا قادیانی کے پوتے مرزا ناصر کو اسمبلی میں بلایا گیا جو چودہ دن تک اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے پر لگا رہا اور وہ تو پورے اسلامی وضع قطع پکڑی داڑھی تسبیح اور خوب بن سنور کے آتا تو دین کے حوالے سے یہ سبھی لوگ ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ مولوی بھی عجیب مخلوق ہے دیکھو اس (خاکم بدہن) مسلمان بندے کو کافر بنانے پر تلے ہوئے ہیں یہ تو فرشتہ سامعوم ہوتا ہے۔ ایک ممبر نے بیٹھے بیٹھے ساتھی سے یہ بات کہی اور وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ تو سبھی چیز کو جانتے ہیں دین کو تو نہیں جانتے کہ دین ظاہر کا نہیں اُساسی عقیدے کا نام ہے جس کے پھر تقاضے ہیں زندگی کے سارے میدانوں میں اس کی عملیت ہے تو قریب دوسرے بندے کو یہ پتہ تھا کہ یہ ممبر صاحب باوجود سبھی مسلمان ہونے کے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے بہت متاثر ہیں اس نے فوراً حضرت کو اشارہ کیا کہ یہ تو آپ فرشتہ سمجھتے ہیں لیکن شیخ الحدیث صاحب کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو فرمایا وہ تو اس حوالے سے جبرئیل امین ہے تو فوراً اس دوسرے ممبر نے کہا تو پھر سنو یہ جبرئیل امین کہتا ہے کہ یہ آدمی فرشتہ نہیں کافر اور غیر مسلم ہے تو فوراً اس پہلے والے نے کہا کہ جب حضرت شیخ الحدیث صاحب کہتے ہیں تو پھر یہ صحیح ہے۔ یعنی حضرت کا کردار اور شخصیت اپنے تواضع و متانت اور وقار کی وجہ سے ہر کسی کے ہاں مسلم تھے۔

مولانا ہزاروی کا دارالعلوم میں خطاب: مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب نے ایک بار دارالعلوم کی مسجد میں ایک انجمن کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کسی کے تواضع میں شبہ ہو سکتا ہے کہ تصنع ہے سوائے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے کہ یہ اس کی فطرت ہے اور فرمایا اخلاق کے حوالے سے کبھی اس نے کسی کا دل نہیں دکھایا نہ دکھانا چاہتا ہے اور چونکہ آپ تو مزاح بہت کرتے تھے تو فرمایا کہ حضرت تو شیطان کا بھی دل نہیں دکھانا چاہتا وہ تو اس کے حسن اعمال اور پابندی شریعت سے خود دکھتا ہے ورنہ حضرت کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہوتا آپ تشریف فرما تھے ہنس رہے تھے۔

تحریک ختم نبوت اور مولانا سمیع الحق: بہر تقدیر مرزا ناصر کا جواب اسکے دادا کی کتابوں سے رات بھر مولانا سمیع الحق صاحب اور مولانا تقی عثمانی صاحب، مجلس تحفظ ختم نبوت کے دیگر علماء کے ساتھ مل کر مرتب کرتے رہے اور اس نے جب بحث ختم کی تو مفتی محمود صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب نے اس کو مہبوت کر دیا حتیٰ کہ وہ سبھی مسلمان بھی پکارا کرتے تھے تو اچھا یہ لوگ ہمیں کافر اور کفریز، ذریعہ البغایا اور ہمارے

خواتین کو کتیاں کہتے ہیں یہ خود کافر ہیں۔ اب اس مسئلے کو ایک بار پھر اتفاقی بنانے کے لئے متعلقہ قرارداد پیش کرنے کے لئے مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم کا انتخاب کیا گیا۔ یاد رہے کہ وزیراعظم کے انتخاب کے وقت بھی حزب اختلاف جن میں ساری مذہبی جماعتیں شامل تھیں انہوں نے مولانا نورانی صاحب ہی کو اپنا امیدوار بنایا تھا اور ایک بار پھر جب ملی یکجہتی کونسل بن گیا تو مولانا نورانی صاحب کو صدر بنایا گیا اور پھر متحدہ مجلس عمل کے بھی وہی صدر رہے جو سارے مسالک کی سیاسی دینی جماعتوں کا ایک اتحاد تھا۔ اسی اتحاد نے ہی مولانا فضل الرحمن صاحب کو وزیراعظم کے انتخاب کے لئے نامزد کیا اور پھر وہ قائد حزب اختلاف بنے۔ اس سے قبل ستر کی اسمبلی میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب "قائد حزب اختلاف رہے ایم ایم اے نے قاضی حسین احمد مرحوم کو پارلیمانی قائد بنایا تھا۔ اب اس تاریخ کے حوالے سے کہاں پر یہ پروپیگنڈا صادق آتا ہے۔

شیخ الحدیث کی اسمبلی میں مساعی: خیر تو بات ہو رہی تھی حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آپ کی اسمبلی میں مساعی تو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے "قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ" کے نام سے کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے۔ حضرت الشیخ روزانہ اجلاس کے لئے جاتے اور رات کو واپس آتے۔

شیخ الحدیث اور پابندی وقت: صبح پھر ہمیں درس ترمذی اور درس بخاری دیتے۔ آپ کے درس کا انداز بقول بزرگان کے حضرت مدنی کا انکاس معلوم ہوتا تھا۔ آپ مسلسل دو گھنٹے لیتے۔ صبح سویرے مسلم شریف کی کلاس حضرت صدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، پرابوداؤد حضرت مفتی صاحب کا ہوتا۔ اب آٹھ بجے کلاس شروع ہوتی تو نو بجے تک پھر دوسری کلاس 9 سے 10 بجے تک اور بعد ازاں حضرت شیخ الحدیث صاحب کا کلاس دس سے بارہ بجے تک کا تھا نظام الاوقات میں لیکن آپ دس بجے آتے جاتے لیکن دفتر جا کر آدھا گھنٹہ ضروری کاغذات پر دستخط وغیرہ کرواتے یا کچھ ہدایات دیتے ناظم صاحب اس کو مدرسہ کے متعلق تازہ ترین بتاتے اور آپ سے رائے لیتے یہ آدھا گھنٹہ آپ قصداً طلبہ کو ستاتے وضو تازہ کرتے یا اگر کوئی کمرے میں جا کر چائے وغیرہ پینا چاہے اس کیلئے دے دیتے۔ اور پھر آپ 12 بجے کے بجائے 1 بجے تک پڑھاتے اور کبھی کبھار موضوع کے حوالے سے ڈیڑھ بھی بچ جاتا۔ آپ کی آواز فضاہت کے باوجود سارے طلبہ تک علی السویہ پہنچ جاتا۔

حضرت شیخ کی تقریر ترمذی: میں تو آپ کی تقریر ترمذی کو کلاس ہی کے دوران عربی میں لکھتا رہا۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے ایک سے زیادہ بار کہا کہ بعد میں اس پر کام کر کے چھپوا دیں گے لیکن وفاق کے امتحان سے کچھ ہفتہ دس دن پہلے کوئی وہ رجسٹر اٹھا کے لے گیا اور تاحال مجھے واپس نہیں ملا۔ حضرت شیخ صاحب سے کہا آپ نے ان سات آٹھ دنوں میں ہر روز درس سے پہلے کہا کہ وہ رجسٹر فضل اللہ کو واپس

کریں اگر کسی کو غلط فہمی ہے کہ کتاب کا سرقہ سرقہ نہیں اگر طالب یا عالم یہ کرے۔ فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ شبہ کی وجہ سے اس پر حد سرقہ نہیں سرقہ تو ہے گناہ بھی ہے اور کبیرہ بھی ہے بلکہ یہ تو ایک متعدی گناہ ہے کہ اس سے استفادہ کر کے سرقہ کے بعد تو آپ کا استفادہ پھر امتحان بعد ازاں کامیابی اور اس کے بعد مولوی بن کے توجہ کو کچھ کماؤ گے اس پر سوالیہ نشان لگا رہے گا کہ اگر قبیح لذت نہ بھی ہو قبیح لغیرہ ہوگا اور یوں اگر حرام نہیں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوگا۔

درس و تدریس کا انوکھا انداز: درس ترمذی کا آپ کا انداز بہت ہی عجیب ہوتا کہ آپ مذاہب پر سیر حاصل بحث کر کے مستلالت ذکر کر کے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب و مستدل ذکر کرنے کے بعد دیگران کے مستلالت کے جوابات دیتے اور حنفیہ کے مسلک کو ترجیح دے دیتے۔ آپ امام ترمذیؒ کے وفی الباب عن فلاں وفلاں الخ کے حوالے سے صحاح اور دیگر کتابوں سے وہ احادیث نکالتے خصوصاً جو حنفیہ کے مستدل ہوتے اور امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہوتا یا امام ترمذیؒ اگر حدیث خصوصاً اہل کوفہ کے مستدل پر کوئی نشان لگاتے کہ فلاں راوی مجہول ہے یا یسیر بذاک وغیرہ تو پھر آپ رجال کے ائمہ کے اقوال ذکر فرماتے اگر امام ترمذیؒ کسی راوی کے تفرکاذ ذکر کرتے تو آپ اس کے متابعات نکالتے کہ یہ ہیں سند میں متابعات اور یہ ہیں متن سے متابعات۔

طلبہ پر شفقت کے حوالے سے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں ہمارے سالانہ امتحان کے موقع پر حضرت ہال میں تشریف لائے ایک سوال آیا تھا۔ نہی النبی ﷺ ان نکسر سکتہ المسلمین (کہ رسول پاکؐ نے منع فرمایا کہ مسلمانوں کا سکہ توڑا جائے)

اب اس لفظ کے حوالے سے اور اس کے معنی کے حوالہ سے طلبہ سارے کے سارے گم سم بیٹھے تھے میں نے اٹھ کے حضرت کو سوال دکھایا۔ آپ پرچہ لے کر سامنے کھڑے ہوئے کہ امتحان ہو رہا ہے جس کے لئے اولین کام سوال سمجھنا ہے اور ہاں میں موجود حضرات بھی وقتاً فوقتاً سوالات کی تفہیم کرتے رہتے ہیں۔ اس سوال کی تفہیم یہ ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا سکہ یعنی کرنسی کو توڑنے یا ان کا دبدبہ توڑنے سے منع فرمایا ہے کہ اول الذکر رزق الہی کی توہین ہے اور ثانی الذکر سے دین کمزور ہوتا ہے بلکہ اول الذکر سے مسلمانوں کا نظام اقتصاد بر باد ہو جاتا ہے اور اقتصاد بد نظمی پیدا ہو جاتی ہے۔ متحن صاحب نے حضرت سے کہا کہ حضرت آپ نے تو سوال کی نہیں جواب کی تفہیم کی۔ آپ مسکرا کے چلے گئے۔

انداز بیان: بیان کے حوالے سے بھی آپ کا بیان اگر ایک جانب عام فہم ہوتا تھا تو دوسری جانب بہت ہی جاذب اور وسیع علمی موضوعات کا وسیع ہونا اور بیان بھی ایسا عرب جیسا کہ کوئی کسی خاص موضوع

پر کچھ لکھ رہا ہو۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے ”دعوات حق“ کے نام سے اس کو مرتب کیا ہے۔

نصر اللہ خٹک کے مقابلے میں جیت: 1977ء کے الیکشن میں آپ کے مقابلے میں علاقے کے نہایت ہی مالدار شخصیت جو سرحد کے وزیر اعلیٰ بھی تھے نصر اللہ خٹک مرحوم پیپلز پارٹی کی طرف سے تھا۔ اپنے اموال و حکومت، وسائل ٹرانسپورٹ اور فورسز سب کچھ کے باوجود جب ہار گئے تو بھٹو صاحب نے اس سے پوچھ لیا یہ کیا سارے وزراء اعلیٰ اور وزراء جیت گئے اور تم ان سب کچھ کے باوجود ایک ملا کے مقابلے میں ہار گئے۔ ان حضرات کا دینی اپروچ تو محدود ہوتا ہے۔ راویان کہتے ہیں کہ اس نے کہا کہ میں کیا کر سکتا تھا میرے مقابلے میں ملا نہیں پشتونوں کا پیغمبر کھڑا تھا (معاذ اللہ) اور پیغمبر کا مقابلہ حکمران تو نہیں کر سکتا۔ یہ آپ کی حدودِ مقبولیت تھی جسے خاص و عام سب مانتے تھے۔ آپ اپنے مشائخ کا اتنا احترام کرتے کہ دورانِ درس حضرت مدنی کا کبھی نام نہ لیتے سوائے حدیث کا سند بیان کرتے اور اجازت دیتے وقت بلکہ فرماتے ”شیخ الاسلام و المسلمین شیخ العرب و العجم امام المجاہدین حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا۔“

حضرت شیخ اور کمال کی تواضع: جامعہ اسلامیہ میں گھمبیر ضلع دیر کے ایک بزرگ عالم دین مولانا فضل الرحیم صاحب مرحوم تھے عصر کے وقت کبھی ہم چکر لگاتے وقت اس کے پاس چلے جاتے اس نے ایک ہر مرتبہ کہا کہ دارالعلوم دیوبند اور پھر فاضل دیوبند ہونا تو ایک مقام تھا۔ ہم وہاں تھے تو کہتے واپس جا کر بخاری شریف پڑھائیں گے ترمذی پڑھائیں گے وغیرہ وغیرہ جبکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کہتے واپس جا کر اگر اللہ نے کسی کے دل میں ڈالا اور کوئی منیۃ المصلیٰ یا نحو میر مجھ سے پڑھنے کے لئے تیار ہوا تو کوشش کریں گے۔ یہ تواضع اور اس کے ساتھ احترام اساتذہ خصوصاً حضرت مدنی کے ساتھ عقیدت کہ اس کے چہل سر پر رکھتے کہ اس طرح کچھ ہاتھ آئے یہ مولانا فضل رحیم صاحب نے بتایا تھا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی کا اعتماد: حضرت مدنی کو جب گرفتار کیا گیا اس وقت حضرت شیخ الحدیث صاحب دارالعلوم دیوبند میں پڑھاتے تھے حضرت مدنی نے پیغام بھجوایا کہ میری کتابیں مولانا عبدالحق صاحب پڑھائیں۔ کہتے ہیں اس پر حضرت کی ہنسی بندھ گئی کہ میرے اوپر حضرت کا یہ اعتماد۔

آپ کی عقیدت تو ہم نے دیکھی تھی جب مولانا اسعد مدنی جو شیخ الحدیث صاحب کے شاگرد تھے لیکن حضرت مدنی کے صاحبزادے تھے تو حضرت اسکے استقبال کیلئے برہنہ پا کھڑے تھے اور جب مولانا اسعد مدنی صاحب تشریف لائے اور دیکھا تو کہا حضرت ہمیں کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے کہ آپ برہنہ پا کھڑے ہیں۔

ایک بار ایک جگہ پر آپ کو کسی صاحب نے دس روپے ہدیہ دیا اس وقت کے دس روپے آج کے پانچ صد سے بھی زیادہ ہیں اور اس شخص نے کہا تھا کہ حضرت ہدیہ ہے۔ واپس آ کر وہ دس روپیہ ناظم

صاحب کو دئے کہ فلاں نام ہے فلاں گاؤں میں اس کے نام رسید روانہ کرے کہ دس روپیہ مدرسہ کے کھاتے میں وصول ہوئے۔

مدرسے کے مالیات میں حزم و احتیاط: ہمارے ایک ساتھی جو دارالعلوم میں مدتوں ناظم رہے نے مجھے بتایا کہ جب آپ بیمار تھے تو ہسپتال سے مجھے پیغام بھجوایا کہ آپ یہاں آئیں اور میرا ذاتی چیک بک اور مدرسہ کا رسید بک بھی ساتھ لائیں۔ اس نے کہا میں گیا تو فرمایا کہ میرے کھاتے سے ایک لاکھ روپیہ کا چیک مدرسہ کے نام لکھ کے مجھے رسید دے دیں۔ وہ ایک لاکھ تو اگر زیادہ نہیں تو آج کے تو بیس لاکھ کے برابر ہونگے فرمایا شاید خیال نہ رہا، اور کہیں مہمانوں کیساتھ مدرسے کی چائے پی لی ہو تو اللہ کے ہاں جواب دہی ہوگی۔

تلامذہ پر شفقت: اس ناظم صاحب کے گاؤں میں وہ ایک مدرسہ شروع کر رہا تھا ۱۹۸۵ء کی بات ہے حضرت بھی آئے تھے اور مجھے بھی دعوت دی۔ حضرت نے بڑی اچھی تقریر کی جو تو آپ کرتے ہی تھے لیکن عالی ظرفی یہ کہ میرے متعلق کہا کہ میں تو کمزور ہوں اب اجازت لوں گا لیکن اب ”بہت بڑے عالم اور خطیب.....“ اپنا بیان کریں گے میں تو پسینہ پسینہ ہو گیا۔

حضرت شیخ کی جنازے میں شرکت: آپ کی کرامت یہ تھی کہ میں بیرون ملک سفر پر تھا اور پروگرام جیسا تھا اس سے پہلے رات بس دل نے چاہا کہ میں نے واپس جانا ہے اپنے میزبانوں سے کہا میرا ٹکٹ کل کرو ادوانہوں نے بہت کچھ کہا، میں نے کہا میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ خیر واپس آ گیا اور شام کو خبر ملی کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب انتقال کر گئے فرحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔ آپ جب ہسپتال میں تھے میں ملنے گیا آپ کمرے میں تھے نماز پڑھ رہے تھے نماز سے فارغ ہوئے میں ساتھ بیٹھ کر آپ کے ہاتھ پاؤں دبانے لگا بہت دعائیں دیں۔

مولانا فضل الرحمن صاحب جب مفتی صاحب کے رحلت کے بعد جمعیت کے ذمہ دار بنے اور حضرت شیخ الحدیث صاحب جنرل ضیاء کے دور کے اسمبلی میں تھے جبکہ ہم تو مخالفانہ تحریک چلا رہے تھے تو ایک بار شیدو میں جلسہ تھا میں نے مولانا فضل الرحمن صاحب سے کہا کہ کیا خیال ہے اگر آج حضرة الشیخ سے ملنے جایا جائے۔ ہم گئے گھر پر کوئی نہ تھا، ہمیں بالا خانہ پر بلایا کچھ سیب سامنے رکھ دئے یہ کھاؤ پھر چائے پلائی، مولانا صاحب نے کہا ہمارے متعلق اگر کسی نے آپ کو کوئی بات بتائی تو وہ جھوٹ ہوگا ہم تو اس قسم کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تو فرمایا کہ آپ دونوں بھی میری طرف سے یہی حسن ظن رکھو۔ پھر صبح سنت اور فرض کے درمیان اول آخر درود شریف اور گیارہ بار سورۃ القریش پڑھنے کا وظیفہ دیا کہ آپ لوگ تو ایسے میدان میں ہیں سو آپ پر نہ خوف ہو نہ جوع ہو۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو درجات عالیہ سے نوازے اور آپ کے قائم کردہ ادارے کو مزید ترقیاں دے اور اسے ناقیامت قائم رکھے آمین۔